دریابادی مرحوم اوران کی تفسیر ماجدی

عبدالمالک

ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی

خاندانی پس منظر

''دریابادی'' لفظ سنتے ہی ذہن مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف چلا جاتا ہے جو علمی حلقوں میں اپنی یادگار تحریرات کے آئینے میں آج بھی زندہ ہیں۔ دریابادی مرحوم کا تعلق قدوائی خاندان سے تھا۔ یہ خاندان قاضی اور مفتیوں کا خاندان کہلایا تھا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ کا نام قاضی معز الدین عرف قدوۃ الدین تھا۔ ان کا زمانہ دسویں صدی عیسوی کا تھا اور وہ محمود غزنوی کے ہم عصر تھے۔ مشہور ہے کہ سلطان کے زمانہ میں ہی کسی لشکر کے ساتھ ہندوستان آئے اور قصبہ اجودھیا (ضلع فیض آباد) میں مقیم ہو گئے۔ وہیں ایک مزار بھی ان کی جانب منسوب ہے۔ نسلاً اسرائیلی تھے۔ سلسلہ نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوتا ہوا لاوی بن حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملتا ہے۔ تو قدوائی خاندان بھی اسرائیلیوں کی ایک شاخ جا ٹھہرا۔ اس خاندان میں بہت سے عالم و فاضل، مشائخ و درویش، اطباء، ڈاکٹر اور ادیب و شاعر گزرے ہیں۔ کچھ لوگوں نے سرکاری عہدے بھی سنبھالے۔

شیخ محمد آب کش چشتی نظامی (م ۸۸۰ھ۔ 1475ء) ایک نامور بزرگ گذرے ہیں۔ یہ عبدالماجد کے مورث اعلیٰ تھے۔ ''آب کش'' اس لئے کہلائے کہ یہ کنوؤں سے پانی بھر بھر کر لوگوں کو پلاتے اور وضو کرواتے تھے۔ محمود آباد کے شاہی عامل ''دریا خان'' انہیں ایک ویران خطہ میں لے آئے اور یہاں آبادی کی بنیاد ڈالی۔ جگہ کا نام بھی دریا آباد تجویز ہوا۔ حضرت آب کش رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو دریا آبادی میں دفن ہوئے۔ ان کا مزار حضرت عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ کے گھر کے قریب ہی ہے۔ (حضرت دریابادی رحمہ اللہ نے ایک بار تمنا کی: ''جی چاہتا ہے کہ اس نامہ سیاہ کا وقت موعود اگر دریابادی میں آ جائے تو اسے جگہ بھی انہیں حضرت مخدوم رحمہ اللہ کی درگاہ کے پائیں کسی گوشے میں مل جائے۔ یہ خواہش اپنے وصیت نامہ میں الگ بھی لکھ کر اپنے وارثوں کو دے دی ہے۔ مرحوم کی یہ تمنا پوری ہوئی۔ 6 جنوری 1977ء کو وصال کے بعد تدفین انہیں بزرگ کے پہلو میں ہوئی۔)

آباء و اجداد

مولانا عبدالماجد کے حقیقی دادا مفتی مظہر کریم مرحوم تھے۔ علم دین کی سند فرنگی محل سے حاصل کی پھر شاہجہاں پور میں عدالت کلکٹری میں سررشتہ دار ہو گئے اور افتاء کا مشغلہ بھی جاری رہا۔ 1857 میں جنگ آزادی چھڑی۔ جنگ کے خاتمہ پر ان پر مقدمہ چلا کر شاہجہاں پور میں باغیوں (مجاہدین) کی نشست و برخاست ان کے گھر پر ہوتی تھی۔ اس جرم میں انہیں 9 سال عبور دریائے

شور کی سزا ملی۔

مولانا عبدالماجد دریابادی 16 مارچ 1892 کو دریاباد میں پیدا ہوئے، اس وقت آپ کے والد ماجد عبدالقادر لکھیم پور کھیری میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ والد ماجد اپنے ذاتی اعمال و کردار میں بڑے پختہ مسلمان تھے۔ ان کی نرمی، ہمدردی اور حسن سلوک کے قصے ہر ایک کی زبان پر تھے۔ 1912 کو حج پر گئے اور فرائض حج کی ادائیگی کے بعد رب ذوالجلال کے حضور پہنچ گئے اور جنت المعلےٰ میں مدفین کی سعادت ملی۔ والدہ ماجدہ کو کر زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں مگر بہت نیک سیرت، عفیفہ، باپردہ اور تہجد گزار خاتون تھیں۔

تعلیم و تربیت، کالجی زندگی

لاڈلا اور شرارتی ہونے کے باوجود گھریلو تربیت کا اثر تھا کہ بچپن سے ہی عبدالماجد کو علم و ادب سے مناسبت پیدا ہوگئی۔ فارسیات خانگی تعلیم و تربیت میں ہی پڑھ لیں۔ اسکول کے زمانہ میں پڑھائی کا دھن خوب بڑھا۔ آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

> ''سہ پہر اسکول سے چلا آرہا ہوں۔ سہ پہر کا ناشتہ بلکہ کھانا انتظار کر رہا ہے۔ آتے ہی کھانے پر نہیں بلکہ آئے ہوئے اخباروں پر گرتا ہوں۔ انھیں کھول پڑھنا شروع کر دیتا ہوں۔ جب کہیں کھانے کو ہاتھ لگاتا ہوں، کھاتا جاتا ہوں اور ساتھ ساتھ آئی، ڈی، ٹی (لکھنؤ کا انگریزی روزنامہ) پڑھتا جاتا ہوں ---- دن رات کی پڑھائی بھی کیسی؟ اندھا دھند، نہ کافی روشنی کا دھیان، شام کا جھٹپٹا ہو یا صبح کا دھندلکا، آنکھوں پر زور دے دے کر بس پڑھے چلا جارہا ہوں۔ اور نہ اس کی سدھ کہ پڑھتے وقت سیدھا بیٹھ تو جاؤں، اندھا دھندلیٹا ہوا ہوں یا چت پڑا کہ کتاب آنکھوں کے سامنے اڑی ہوئی ہے۔'' (1)

میٹرک کے بعد کیننگ کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ انگریزی، ریاضی، عربی، منطق اور تاریخ مضمون تھے۔ فارغ اوقات میں ''رفاہ عام لائبریری'' میں مطالعہ کیلئے چلے جاتے۔ حافظہ بھی خوب تھا، جو یاد کرتے ذہن میں نقش ہو جاتا۔ کتاب دیکھنے کا ایسا جنون سوار تھا کہ موضوع اور زبان کی کوئی قید نہ تھی، عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کی جو کتاب ہاتھ لگ جاتی مطالعہ کر کے چھوڑتے۔ فلسفہ سے شوق بہت بڑھا ہوا تھا، کالج لائبریری میں جتنی بھی کتابیں اس موضوع پر تھیں، سب پڑھ ڈالیں۔

ادبی سفر کا آغاز

یہ سیتاپور کے قیام کی بات ہے، عبدالماجد ساتویں جماعت کے طالب علم تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ علی گڑھ کے کچھ ملحدین اسلامی عقائد و احکامات کو غلط رخ اور مسخ انداز سے شائع کر رہے ہیں۔ یہ تحریرات پڑھ کر اس کم سن طالب کا خون کھول اٹھا، مذہبی عقیدت نے جوش مارا۔ گیارہ، بارہ سالہ کم عمر مومن نے ان ملحدین کا جواب لکھ دیا جسے صوبے کے سب سے بڑے اخبار ''اودھ اخبار'' نے شائع کیا۔ یہ دریابادی مرحوم کے ادبی سفر کا آغاز تھا۔ اس کے بعد سلسلہ آگے چل پڑا۔ اخبارات میں کالم اور مختلف نوعیت کے مضامین چھپتے رہے۔

لکھنؤ میں لائبریریوں سے استفادہ کا پورا موقع ملا تو ادبیت میں بھی خوب نکھار آتا چلا گیا۔ کچھ ہندو مؤرخین نے ہندوستان کے مسلم فاتح اور مشہور جرنیل ''محمود غزنوی'' کی کردار کشی کرتے ہوئے ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے تھے۔ عبدالماجد نے

محمود کو اپنا ہیرو بنا کر ان کی سوانح پر ایک خوبصورت کتاب لکھ دی۔ یوں مصنفین کی فہرست میں بھی ان کا نام شامل ہو گیا۔

ایک تلخ زمانہ

دریا آبادی مرحوم کی زندگی کا ایک زمانہ بہت تلخ اور مذہبی اعتبار سے نہایت تاریک گزرا ہے۔ لکھنؤ کی کالج زندگی میں ایک دن اچانک ان کی نظر ڈاکٹر ڈریسڈیل کی کتاب Element of Social Science پر پڑی، جس کے مطالعہ نے ان کو ایک نئے میدان میں پہنچا دیا، یہ الحاد و زندقہ کے موضوع پر لکھی گئی ایک کتاب تھی۔ مصنف اپنے وقت کا ایک کٹر ملحد تھا۔ جس میں اسلامی عقائد واحکامات کو توہین آمیز انداز میں پیش کیا گیا تھا، اسلامی اخلاق وکردار کا مذاق اور ایمانی جذبات کو کمزور دکھانے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ سب کچھ اس طرح کے لگے لپٹے پروپیگنڈے اور مہارت کے ساتھ لکھا گیا تھا کہ عبدالماجد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، کتاب کا مطالعہ کرتے گئے اور ان اندر کی دنیا بدلتی گئی۔ خود لکھتے ہیں:

> ''کتاب کیا تھی، ایک بارود بچھی ہوئی سرنگ تھی۔ حملہ کا اصل ہدف وہ اخلاقی بندشیں تھیں جنھیں مذہب کی دنیا اب تک بطور علوم متعارفہ کے پکڑے ہوئے ہے اور ان پر اپنے احکام کی بنیاد رکھے ہوئے ہے، مثلاً عفت وعصمت۔ کتاب کا اصل حملہ انھیں بنیادی، اخلاقی قدروں پر تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ جنسی خواہش تو جسم کا ایک طبعی معاملہ ہے، اسے دباتے رہنا اور اس کے لئے باضابطہ عقد کا منتظر رہنا، نہ صرف ایک فعل عبث ہے بلکہ صحت کے لئے اور جنسی قوتوں کی بالیدگی کے لئے سخت مضر ہے۔ انداز بیان بلا کا زوردار اور خطیبانہ تھا۔ سولہویں سال کا ایک طفل ناداں اس سیلاب عظیم میں اپنے ایمان واخلاق کی ننھی منی کشتی کو کیسے صحیح وسالم رکھ پاتا! خصوصاً جب کہ کتاب کی دعوت ودعایت عین نفس کے مطابق ہو..... مذہب کی حمایت ونصرت میں اب تک جو قوت جمع کی تھی، وہ اس شدید بمباری کی تاب نہ لاسکی اور شک وبدگمانی کی تخم ریزی مذہب واخلاق کے خلاف خاصی ہو گئی۔''(۴)

پھر رہی سہی کسر International Library of Famous Literature کتاب نے پوری کر دی۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ عبدالماجد جیسے ذہین فطین اور مذہبی انسان کا عقیدہ محض ان دو کتابوں کے مطالعہ سے یوں بدل جائے گا۔ ان کتابوں کے مطالعہ نے دریابادی کو مذہب سے بہت دور کر دیا۔ اب وہ شریعت الٰہی کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے اور جانچنے لگے۔ جو کچھ ان کے عقل کے معیار پر پورا نہ اترتا وہ ان کے نزدیک ناقص اور بے وقعت تھا۔

اب ان کے سامنے ایمان کی عمارت، وجود باری تعالیٰ، مذہب ونبوت کی کوئی حیثیت نہ رہی، وہ مذہبی قید سے آزاد ہو چکے تھے۔ عقل ان کی راہنما تھی، وہی کہتے جو عقل کا تقاضا ہوتا۔ اب ان کے مضامین شائع ہوتے تو ان میں بھی یہی رنگ نمایاں ہوتا۔ ایک بار تو انہوں نے کہہ دیا کہ سائنس و مذہب کی اس کشمکش میں سائنس کی ترقی عروج پر ہے اور مذہب محض چند دنوں کا مہمان ہے، جوں جوں سائنس کی تعلیم عام ہوتی جائے گی مذہب کا اثر پھیکا پڑتا جائے گا۔

رفتہ رفتہ اسلام کے نام سے بھی شرم آنے لگی اور فخریہ طور پر اپنے لئے ''ریشنلسٹ'' لقب لکھنے لگے۔ کالج میں انٹرمیڈیٹ کا

فارم بھرنے کا وقت آیا تو مذہب کے خانہ میں بجائے مسلمان لکھنے کے "ریشنلسٹ" لکھ دیا۔

الحاد و دہریت کا یہ دور دس سال تک محیط رہا۔ والدین، اعزہ و اقرباء، دوست و احباب نے بہت ہاتھ پاؤں مارے، مگر یہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے۔ تھک ہار کر سب نے ہتھیار ڈال دیے اور معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا۔ والد ماجد سفر حج پر جانے لگے تو بیٹی کو ساتھ لے گئے۔

اسلام کی طرف بازگشت

ہر نیک فطرت والد اپنی اولاد کی دینی و دنیوی ترقی کے لئے کوشاں اور دعا گو رہتا ہے۔ عبدالقادر مرحوم بھی ہر طرح سے لخت جگر کی اصلاح میں لگے رہے۔ مقدس جگہ میں پہنچ تو غلاف کعبہ تھام کر ہدایت و بازیابی کے لئے گڑگڑاتے رہے۔ کچھ بزرگ ہستیاں بھی اس دوران فریضہ وعظ و نصیحت کی ادائیگی میں برابر لگی رہیں۔ سرفہرست مشہور شاعر اکبر الہ آبادی اور نامور قائد مولانا محمد علی جوہر کا نام ہے۔ آخر مخلصانہ کوششیں اور پدری شفقت و رحم بھری دعائیں رنگ لائیں۔ دریابادی مرحوم اسلام کی طرف لوٹ آئے قرآن و حدیث کی صداقت و حقانیت واضح ہوئی، الحاد و تشکیک سے توبہ تائب ہوئے۔ (اسلام کی طرف بازگشت کی یہ داستان بہت طویل ہے، تفصیل آپ بیتی میں دیکھی جا سکتی ہے۔) اب خالص دینی کتابوں کی ورق گردانی شروع کی۔ مثنوی روم، نفحات الانس، مکتوبات حضرت مجدد سمیت تصوف کی درجنوں کتابیں پڑھ لیں۔ قرآن کریم کے مختلف تراجم، تفاسیر اور کتب احادیث و فقہ کا گہرا اور محققانہ مطالعہ کیا۔

صوفیاء کرام کی کتب دیکھنے کے بعد تصوف کا رنگ تو چڑھ ہی گیا تھا، مرشد کامل کی تلاش شروع ہوئی، کئی خانقاہوں میں حاضری کے بعد بالآخر مزاج و عقیدت کا مرکز تھانہ بھون ٹھہرا۔ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کے آگے دوزانو ہوئے، تربیت مرشد کامل نے انہیں ایک مفکر، مدبر، اردو و انگریزی کا مشہور مفسر قرآن بنا دیا۔ اپنے شیخ و مرشد کے حالات پر "حکیم الامت" کتاب بھی لکھی۔ پہلی ملاقات سے لے کر تربیت کے مختلف مراحل تک بڑی دلنوازی سے ان سب باتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

بلند پایہ ادیب

دریابادی رحمہ اللہ کا تعارف برصغیر میں ایک بلند پایہ ادیب، نامور صحافی اور مفسر قرآن کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ مفسر قرآن سے شہرت تو بعد کی ہے، اس سے پہلے وہ ایک ماہر صحافی، بے باک قلم کار اور مشہور زمانہ کالم نگار تھے۔ اپنے خیالات عام لوگوں تک پہنچانے کیلئے وہ ہفتہ وار اخبار نکالا کرتے تھے۔ اپنے طرز کا یہ انوکھا اخبار پہلے "سچ" پھر "صدق" اور آخر میں "صدق جدید" کے نام سے نکلتا رہا۔ اخبار کی طباعت و کتابت اگرچہ زیادہ اونچے معیار کی نہ تھی مگر دنیا اس اخبار کا انتظار کرتی۔ جس ہاتھ میں پرچہ پہنچتا وہ ختم کئے بغیر نہ چھوڑتا۔ اخبار پڑھ کر کوئی تھرا اٹھتا، کوئی تڑپتا اور کوئی قلم کی کاٹ اور تیز و تند جملوں کے مزے لیتا۔

اخبار پر مختصر تبصرہ خود دریابادی مرحوم کی زبانی سنئے: "اپنی طرف سے یہاں صرف اتنی گذارش کی اجازت چاہوں گا کہ:

(۱) ....واقعات حاضرہ پر اس طرز خاص سے تبصرہ کرنا، کہ پہلے نفس خبر بجنسہ نقل کر دی اور پھر اس پر مختصر، تیکھے لکھوں

میں کچھ لکھ لکھا دیا۔ صدق و سچ سے پہلے شاید اردو کی دنیائے صحافت کے لئے نامعلوم تھا۔

(۲) ....صدق نے طنز و تعریض کا استعمال بے شک کثرت سے کیا ہے، لیکن اپنی والی کوشش ہمیشہ ذاتیات کا پہلو بچا کر، اور صرف پبلک زندگی کے پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر۔

(۳) ....مروت اور شخصی تعلقات سے یہ تو نہیں کہ سرے سے اثر قبول ہی نہیں کیا گیا، البتہ اس تاثر کو ہمیشہ حدود کے اندر رکھا گیا ہے اور اسے پبلک فریضۂ احتساب پر غالب نہیں آنے دیا گیا۔

(۴) ....ہر حق کو حق اور ہر باطل کو باطل بلا کسی پارٹی کے خیال اور بغیر کسی تعصب و تحزب کے پیش کیا گیا اور جہاں کچھ بھی کہنے کی ہمت نہ ہوئی اس سے سکوت ہی اختیار کر لیا گیا۔

(۵) ....اظہار رائے اور جنبش قلم میں، یہ کس منہ سے کہوں کہ کبھی بھی ذاتی جذبات سے متاثر نہیں ہوا ہوں۔ جہاں کہیں بھی اس قسم کی لغزشیں ہوں، اللہ سے دعا ہے کہ اسے معاف فرمائے اور ناظرین سے عرض ہے وہ اس پر آمین کہیں۔" (۳)

ادبی تحریریں

مولانا دریابادی مرحوم کے سحر آفریں اور جادو نگار قلم سے مختلف موضوع پر کئی کتابیں نکلیں۔ ہر کتاب ادب و بلاغت کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔ یہ ان کی ادبیت و شگفتگی کا ہی کمال ہے کہ ان کے تحریر کردہ خشک سے خشک مضمون میں بھی ہر طرح کی کشش و دلربائی موجود ہے۔ طنز نگاری سمیت اردو ادب کے کئی اسلوب ایسے ہیں جن کی تخلیق میں وہ اول و منفرد ہیں۔ حضرت علی میاں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی خصوصیت ہے کہ ان کی کوئی تحریر ادب و زبان کی چاشنی سے خالی نہیں اور کہیں ان کا اسلوب تحریر جو ان کی شخصیت بن گیا ہے، ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ حد یہ ہے کہ لیکی کی کتاب ہسٹری آف یورپین مارلس کے ترجمہ تاریخ اخلاق یورپ (جو اپنے موضوع، اپنی فنی اصطلاحات، اردو کی تنگ دامنی اور ترجمہ کی مشکلات کی وجہ سے نہایت مشکل کام) وہ پورے طور پر کامیاب رہے ہیں اور پوری کتاب میں کہیں ثقالت و خشکی اور ترجمہ پن نظر نہیں آیا۔" (۴)

مولانا کی ادبی تحریرات کی ایک طویل فہرست ہے۔ چند کے نام ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

قرآن حکیم (انگریزی ترجمہ و تفسیر) ....تفسیر ماجدی (اردو ترجمہ و تفسیر) ....سفر حجاز (حرمین کا سفرنامہ) ....اقبالیات ماجد ارض القرآن ....اکبر نامہ یا اکبر میری نظر میں ....مضامین عبدالماجد دریابادی ....بشریت انبیاء ....مردوں کی مسیحائی ....آپ بیتی (ماجد) ....حکیم الامت محمد علی ذاتی ڈائری کے چند ورق (جلد اول و دوم) ....محمود غزنوی ....وفیات ماجدی یا نثری مرثیے ....تاریخ اخلاق یورپ۔

طنز مزاجی

دریابادی مرحوم کی ادبی دنیا کی ایک خاص بات "طنز مزاجی" تھی۔ ایسے ماہر طناز کہ دو جملوں میں حریف کے چھکے چھڑا

دیتے۔ قلم بے باک تھا، جو کہنا ہوتا کسی کی پروا کیے بغیر کہہ ڈالتے۔ نامور قلم کاران کے "سچ" کے چھینٹے ہوئے نشتر سے پناہ مانگتے۔ مولانا آزاد، علامہ شبلی اور شورش کاشمیری سب سے نوک جھونک چلتی رہتی۔ "نگار" کے ایڈیٹر نیاز فتح پوری کا نام اس میں سرفہرست ہے۔

نیاز صاحب دین اور ارکان دین کے ساتھ تمسخر و استہزا کرنے میں کافی نام پیدا کر چکے تھے۔ اور اپنے خیالات کا اظہار "نگار" میں برابر کرتے تھے۔ مولانا عبدالماجد ان خیالات کا احتساب "سچ" میں کرتے، نگار اس کا جواب دیتا۔ جواب الجواب کے اس سلسلے نے دفتر کے دفتر سیاہ کر دیے۔

ایک جگہ مولانا لکھتے ہیں:

"اللہ اللہ! کیسی جرأتیں اور جسارتیں ہیں! دین سے بے نیازی، دیانت سے بے نیازی، شریفانہ صحافت سے بے نیازی اور کھلے طور پر ان بے نیازیوں کا نام علمی تحقیق! اناللہ؟"

مولانا دریابادی مرحوم کے زم وگرم مباحثوں نے بالآخر میدان جیت لیا۔ "سچ" کے ایک شمارہ میں لکھتے ہیں:

"فتنۂ نگار پر بحمداللہ قوم وملت نے بالآخر پوری توجہ کی اور سارا اسلامی ہند مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک صدائے احتجاج سے گونج اٹھا۔ آخر میں نیاز صاحب کو اپنی تحریروں پر معافی مانگنا پڑی اور عہد کرنا پڑا کہ وہ آئندہ اس قسم کی تحریریں نہیں لکھیں گے۔"

صوفی نظیر کشمیری سے خوب چلتی۔ ایک بار انہوں نے لکھا:

"آپ کو مدینۃ المصلی سے تا بخاری شریف پڑھا دوں گا۔ صبح کا ہی تفریح سے اب گیارہ بجے واپس آکر آپ کا شذرہ پڑھا۔ اسی پر یہ جواب مرسل ہے۔"

مولانا نے جواب میں لکھا:

"تفریح سے گیارہ بجے واپسی آپ کی دماغی کیفیت کی بہترین ترجمان ہے۔"

صوفی صاحب اس پر ایسے بگڑے کہ جوش میں عبا و دستار بھی پھینک دی اور تیز و تند مراسلہ بھیجا۔ مولانا کا جواب صرف اتنا تھا:

"آپ کو یہ سن کر رنج ہوگا کہ میں نے آپ کا مراسلہ پڑھے بغیر کوڑے کی کنڈی میں ڈال دیا۔"

پاکستان کے چند روزہ سفر میں شورش کاشمیری مدیر "چٹان" نے پرتکلف دعوت کی۔ حضرت دریابادی کو اس میں اسراف نظر آیا۔ اپنے سفرنامہ میں تنقید کی۔ شورش نے جواباً لکھ دیا کہ میں آپ کے خلاف یہ لکھوں، وہ لکھوں گا۔ مولانا دریابادی کا جواب قرآن کریم کی ایک آیت تھی، لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ. **(۵)**۔ بس اس جواب لاجواب پر ساری شورش ختم ہوگئی۔ **(۶)**

دینی حمیت

حضرت علی میاں رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"مولانا کے خصوصیات و کمالات میں سب سے بڑا جوہر ان کی اسلامی حمیت تھی۔ ذات نبوی صلی اللہ علیہ

وسلم، اسلام، شریعت اسلامی کے لئے کوئی توہین آمیز مضمون، رسالہ یا کتاب یا نظم یورپ و ایشیا میں کہیں نکلتی یا کوئی گستاخ و بے ادب کوئی تصویر شائع کر دیتا تو سب سے پہلے مولانا "صدق" میں اس کا نوٹس لیتے۔ اس وقت ان کا خامہ گوہر بار شمشیر جوہر دار بن جاتا وہ اس کا سلسلہ جاری رکھتے، یہاں تک کہ خود ناشر کی طرف سے معذرت یا تلافی کی کوشش ہوتی یا اس کے خلاف اسلامی حلقوں میں عمومی احتجاج ہوتا۔ اس بارے میں ان کی عقابی نگاہ سے کم کوئی کوئی چیز پوشیدہ رہ جاتی۔ اسی دینی حمیت نے ان کو انکار حدیث کے فتنہ کے موقع پر نیاز فتح پوری اور خدا رسول اور مذہب کے خلاف دریدہ دہنی سے بیتاب ہو کر جوش ملیح آبادی اور یگانہ چنگیزی کے مقابلہ میں صف آرا کر دیا اور انہوں نے "صدق" کو عرصہ تک ان کی تردید اور ان کے خلاف مضامین کی اشاعت کے لئے وقف کر دیا۔

وہ چونکہ رسمی و اصطلاحی طور سے کسی مدرسہ کے عالم و مدرس نہ تھے، بلکہ اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ، صاحب طرز ادیب و انشاء پرداز، فلسفہ و نفسیات کے فاضل اور مغرب و اہل مغرب سے (مذاق اڑانے والوں سے زیادہ) واقف تھے، اس لئے ان کی تحریروں کو "ملائے مذہبی" کا طعنہ دے کر یا "شعر من بمدرسہ کہ برد؟" کا فقرہ چست کر کے ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ اس بارے میں مولانا کی ذکاوت حس اتنی تیز تھی کہ کسی شاعر کے کلام یا کسی ادیب کے مضمون میں مذہب و شریعت کی توہین یا طنز و استہزاء کا کوئی جملہ دیکھ لیتے تو فوراً اس کا نوٹس لیتے اور اس پر متنبہ فرماتے۔ مولانا کی مغفرت و مقبولیت کے لئے شاید یہی دینی حمیت کافی ہو جائے جو ہزار عبادت و تسبیح سے زیادہ وزن رکھتی ہے۔" (۷)

قطب ارشاد کا وصال

دریابادی رحمہ اللہ کے اخبار کا ایک اہم حصہ ہم عصر شخصیات اور احباب و اقرباء کی وفات پر تعزیتی مقالے تھے۔ اماں جی کے انتقال پر "ماں کے قدموں پر"، بڑے بھائی کی وفات پر "نازبردار بھائی" اور اہلیہ کی وفات پر "بوڑھی محبوبہ" کے عنوان سے تعزیتی مضامین لکھے۔ یہ نثری مرثیے سینکڑوں کی تعداد میں نکلے۔ ان میں سے کچھ مرثیوں کو مولانا کے بھتیجے اور خادم خاص حکیم عبدالقوی رحمہ اللہ نے کتابی شکل میں ترتیب دیا ہے۔ یہ مجموعہ "وفیات ماجدی یا نثری مرثیے" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اپنے مرشد و مربی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی وفات پر جو دردو بھرا مرثیہ لکھا، ہم اس کا ایک اقتباس یہاں نقل کرتے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آہ طبیبوں کی اٹکل پر قائم کی ہوئی امیدوں کی بنیاد کیسی ریت نکلی اور بشری تدبیر نے خداوندی تقدیر کے مقابلہ میں کس طرح جری شکست کھائی۔ مولانا میرے استاد تھے، مقتدا تھے، سردار تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ میرے محبوب تھے! ..... آہ! کہ عقیدت، عظمت، محبت تینوں ایک ہی وقت میں کچل کر رہ گئیں۔ تعزیت کا مستحق میں خود ہوں، کسی دوسرے سے کیا تعزیت کروں۔ اللہ نے ان کی ذات میں نور حق کی ایک جھلک دکھاری تھی۔ ولی کامل کا نمونہ اس بیسویں صدی میں دکھا دیا تھا۔

ما مجرا نور مطلق دیدہ ایم

نور مطلق را ہمہ حق دیدہ ایم

دین کے خادم اور بزرگ اور بھی اس وقت اچھے اچھے موجود ہیں۔ پر وہ ایک ہستی ان سب سے نرالی، ان سب سے انوکھی اپنی نظیر آپ تھی۔

عالم میں تم سے لاکھ سہی، تم مگر کہاں
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اللہ کے اس ولی کے حق میں دعائیں کرنا اس کا نہیں اپنا مرتبہ بڑھانے کے لئے ہیں۔

''سجدوں سے اور بڑھتی ہے رفعت جبیں کی''۔

درود خوانی سے مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں بڑھتا، خود اپنا ربط وتعلق اس ذات اقدس کے ساتھ زیادہ گہرا اور راسخ ہوتا ہے۔

قلم کے لئے اپنی عمر کا اب جتنا بھی حصہ باقی ہے، مولانا قدس اللہ سرہ کے مناقب وفضائل کے بعض گوشوں پر ان شاء اللہ حسب توفیق ان صفحات میں گزارشیں پیش ہوتی رہیں گی۔ اس وقت تو مقصود محض خبر کو ناظرین تک پہونچانا تھا۔

تاب لاتے ہی بنے گی غالبؔ
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز (۸)

حادثۂ وفات

مارچ ۱۹۷۴ء میں فالج کا حملہ ہوا۔ علاج ومعالجہ تو ہوا مگر صحت بری طرح متاثر ہوئی، کھڑے ہوکر نماز سے رہ گئے، بینائی بھی کمزور ہوگئی، یہ حملہ حافظہ پر بھی اثر انداز ہوا۔ بیماری کی خبر آنا فانا چار سو پھیل گئی۔ عیادت کیلئے آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ جنوری ۷۶ء میں آنکھوں کا آپریشن کروایا۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں کسی کام سے رات کو بستر سے اٹھے تو گر پڑے، کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اب کے صدمہ نے تو انہیں جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اس وقت سے وفات تک ساری دنیا ایک کمرہ اور ایک کمرہ میں بھی ایک پلنگ نہیں چوبی تخت تک محدود ہوکر رہ گئی۔ داہنی طرف پلستر چڑھا ہوا تھا بائیں طرف ہی بس کروٹ لے سکتے تھے۔ بستر پر پڑے پڑے نظام اجابت بھی مختل ہوگیا۔ لاکھوں صفحات لکھنے والے مولانا عبد الماجد اب ایک سطر تو کیا اپنے دستخط کرنے کے بھی نہ رہے۔ بصارت بھی جواب دے گئی۔

بیماری میں مبتلا ہونے کے بعد بھی اپنی حد تک معمولات کی پابندی کرتے رہے مگر دسمبر میں فالج کے نئے حملہ کچھ نہ چھوڑا۔ بے ہوشی اور غفلت کی حالت طاری ہوگئی۔ اس غفلت کے عالم میں بار بار ہاتھ کان تک اٹھاتے اور اس کے نیچے لاکر نماز کی طرح نیت باندھ لیتے۔ ایک روز اپنی منجھلی بیٹی کو بلا کر کہنے لگے کہ:

وہ جو آتا ہے ف...... بیٹی نے جملہ مکمل کیا کہ ''فرشتہ؟'' بولے۔ ہاں اور داہنی جانب اشارہ کیا اور کہا: ''آ گیا ہے۔''

اس واقعے کے 4 دن بعد ہی 6 جنوری 1977 صبح ساڑھے 4 بجے خاتون منزل لکھنؤ میں خالق حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ نماز جنازہ، وصیت کے مطابق نماز ظہر کے بعد ندوۃ العلماء کے میدان میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے پڑھائی۔ اس کے بعد جسد خاکی کو دریاباد لے جایا گیا وہاں بھی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ مکان سے متصل آبائی بزرگ "حضرت آب کش" کا مزار تھا، اس کے قریب ہی وصیت کے مطابق آپ کی تدفین ہوئی۔

نرینہ اولاد (دو بیٹے) عالم شیر خوارگی ہی میں داغ مفارقت دے گئی تھی۔ چار بیٹیاں (رفعت النساء، حمیرا خاتون، زہیرا خاتون اور زاہدہ خاتون) وفات کے وقت موجود تھیں، اہلیہ محترمہ تو ۱۹۶۸ء میں ہی چل بسی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اس خاندان کی مغفرت کاملہ فرمائے۔ آمین۔

تفسیر لکھنے کا سبب

یہ سن ۱۹۳۳ء کی بات ہے کہ خانقاہ تھانہ بھون میں مولوی سراج الحق مچھلی شہری رحمہ اللہ نے ایک دن حضرت دریابادی مرحوم سے کہا بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہم اہل سنت وجمہور امت کی طرف سے قرآن مجید کا ایک بھی ترجمہ موجود نہیں، آپ یہ کام ضرور کر ڈالیے۔ مخلص بزرگ کی یہ بات دل میں اتر گئی اور حضرت دریابادی مرحوم نے تیاری شروع کر دی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، انگریزی عربی لغت، جغرافیہ عرب وشام، تاریخ مذاہب، تاریخ اقوام عرب واسرائیل اور مختلف مذاہب کی کتب عقائد کی روشنی میں تفسیر قرآن کا سفر شروع ہوا تقریباً ۱۹۴۳ء میں جا کر مسودہ تیار ہوا۔ تاج کمپنی نے طباعت واشاعت کی حامی بھری۔ بعض اعذار کی وجہ سے تاخیر ہوتے ہوتے ۱۹۵۷ء میں جا کر چھپائی کا کام شروع ہوا اور ۱۹۶۱ء میں جا کر قرآن مجید مکمل ہوا۔

انگریزی ترجمہ وتفسیر کے بعد اردو تفسیر پر بھی کام شروع ہو گیا۔ بقول دریابادی مرحوم کے:

> "اس میں مدد سب سے بڑھ کر حضرت تھانویؒ کے ترجمہ وتفسیر بیان القرآن سے لی ..... میرا ترجمہ تو کہنا چاہیے کہ ۵۷ فی صدی اسی ترجمہ اشرفیہ کی نقل ہے اور تفسیری حصہ میں فقہیات میں نے بڑی حد تک اسی بیان القرآن سے لی ہیں۔ حضرت مرحوم اس کام کے آغاز سے ۳، ۴ سال بعد تک حیات رہے اور برابر زبانی وتحریری ہر قسم کا مشورہ اس باب میں دیتے رہے، بلکہ میں خود بھی ہمت کر کر کے ہدایتیں حاصل کرتا رہا۔"(۹)

پھر تفسیر لکھتے وقت کیا معمول رہا، مرشد ومربی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> "بحمد اللہ ترجمہ کا ایک پارہ ختم ہو چکا ہے۔ اب تک معمول رہا ہے کہ تازہ وضو کے ساتھ دو رکعت نفل کے بعد پہلے حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام والی دعا کسی قدر الحاح کے ساتھ کر لیتا ہوں۔ جب ترجمہ کا کام شروع کرتا ہوں، دعا میں اکثر حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اللہ اللہ عرب سے صدہا میل دور بخارا اور ترکستان کا ایک شخص یوں مدت ماننے والوں کی اولاد، کہاں پڑا ہوا تھا، اسے کہاں سے کھینچ کر کہاں پہنچا دیا گیا کہ آج کتاب اللہ کے بعد اسی کی کتاب دین کی بنیاد ہے۔ اسی کریم سے دعا ہے کہ اس مخلص اور

مقبول کے اخلاص کا ایک شمہ اس سیاہ باطن کے اندر بھی پیدا کردے۔"(۱۰)

تفسیر ماجدی کے مآخذ

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ نے تفسیر ماجدی کی تیاری میں جن اردو و عربی کتب سے استفادہ کیا ہے، ان سب کے نام دیباچہ میں تحریر کئے ہیں۔ تفسیری مآخذ یہ ہیں:

تنویر المقباس یا تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما، روایات منقول از حضرت عبداللہ بن عباسؓ (ف ۶۸ھ)

تفسیر القرآن الکریم (۳۸ سورتوں کی تفسیر) از سفیان ثوری الکوفی (ف ۱۶۱ھ)

جامع البیان یا تفسیر ابن جریر طبری (۳۰ جلدوں میں) از ابوجعفر ابن جریر الطبری (ف ۳۱۰ھ)

تفسیر الکشاف، از جاراللہ محمود بن عمر زمخشری (ف ۵۳۸ھ)

مفاتیح الغیب معروف بہ التفسیر الکبیر، از محمد فخر الدین رازی (ف ۶۰۶ھ)

الجامع لاحکام القرآن معروف بہ تفسیر قرطبی، از ابومحمد عبداللہ بن احمد القرطبی (ف ۶۷۱ھ)

معالم التنزیل، از محی السنہ حسین بن مسعود البغوی (ف ۵۱۰ھ)

تفسیر ابن کثیر، از عماد الدین ابوالفدا اسمٰعیل بن کثیر الدمشقی (ف ۷۷۴)

انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی)، از قاضی عمر ناصر الدین البیضاوی (ف ۶۸۵)

مدارک التنزیل، از حافظ الدین محمود ابوالبرکات عبداللہ بن احمد محمود النسفی (ف ۷۰۱ھ)

البحر المحیط، از اثیر الدین ابوحیان الغرناطی (ف ۷۴۰)

روح المعانی از شہاب الدین آلوسی بغدادی (ف ۱۲۷۰ھ)

التفسیر القیم تفسیری اقوال ابن قیم، مرتبہ مولانا محمد اویس ندوی نگرامی (ف ۷۵۱ھ)

تفسیر جلالین، از جلال الدین محلی (۸۶۴ھ) جلال الدین سیوطی (ف ۹۱۱ھ)

لباب التاویل معروف بہ تفسیر خازن، از علاء الدین ابوالحسن علی بن محمد الخازن (ف ۷۴۱ھ)

غرائب القرآن معروف بہ تفسیر نیشاپوری، از نظام الدین الحسن الخراسانی النیشاپوری (ف ۷۱۸ھ)

ارشاد العقل السلیم معروف بہ تفسیر ابی سعود، از ابوالسعود محمد بن محمد الحسن الرومی (ف ۹۴۰ھ)

النہر الماد بر حاشیہ البحر المحیط، از اثیر الدین ابوحیان الغرناطی (ف ۷۴۵ھ)

تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن از ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (ف ۱۳۶۷ھ)

احکام القرآن، از ابوبکر جصاص رازی حنفی (۳۷۰ھ)

احکام القرآن، از قاضی ابوبکر محمد بن العربی المالکی (ف ۵۴۳)

تفسیر احمدی از شیخ احمد عرف ملا جیون امیٹھوی حنفی (ف ۱۱۳۰ھ)

تفسیر بیان القرآن، از اشرف علی تھانوی (ف ۱۳۶۲ھ)

خلاصۃ التفاسیر، از فتح محمد تائب لکھنوی (ف ۱۳۲۲ھ)

تفسیر مواہب الرحمن، از امیر علی ملیح آبادی (۱۳۳۶ھ)

تفسیر فتح المنان معروف بہ تفسیر حقانی از ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی (ف ۱۳۳۵ھ)

تفسیر ثنائی، از ابو الوفا، ثناء اللہ امرتسری (ف ۱۳۶۷ھ)

ترجمہ تفسیر مظہری، از قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ف ۱۲۲۵ھ)

ترجمہ تفسیر فتح العزیز، از شاہ عبد العزیز دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ)

غایۃ البیان فی تفسیر القرآن، از احمد حسن امروہی (ف غالباً ۱۳۳۰ھ)

تفسیر بیان القرآن، از محمد علی لاہوری ایم اے (ف ۱۳۶۸ھ)

تفہیم القرآن، از ابو الاعلیٰ مودودی

حواشی تفسیری بر حاشیہ ترجمہ شیخ الہند، از شبیر احمد عثمانی دیوبندی (ف ۱۳۶۹ھ)

ترجمان القرآن، از مولانا ابو الکلام آزاد

تفسیر ماجدی کا اصل میدان

تفسیر ماجدی کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس میں عیسائیت اور دہریت کی طرف سے اسلام پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کے جوابات، بائبل اور مغربی علما کی کتابوں سے ہی دیئے گئے ہیں۔ اردو زبان میں تفسیر حقانی کے بعد یہ واحد تفسیر ہے جو عیسائیت کے اسلام پر اعتراضات کے جوابات کے نکتہ نظر سے تحریر کی گئی ہے۔

حضرت علی میاں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''اس سلسلہ میں ان کے مطالعہ کا اصل میدان اور تفسیروں میں ان کی تفسیر کا اصل امتیاز صحف سماوی اور مذاہب کا تقابلی جائزہ اور ان شخصیتوں، مقامات اور تاریخی ادوار کی جدید جغرافیائی وتاریخی معلومات کی روشنی میں تحقیق اور قرآن مجید کے مشکل مقامات کا حل پیش کرنا تھا جن کے بارے میں جدید علوم مستشرقین کے اعتراضات اور جدید مطبوعات نے مختلف سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔'' (۱۱)

تفسیر ماجدی پر حضرت علی میاں کا تبصرہ

تفسیر ماجدی کے جو نئے ایڈیشن شائع ہوئے، ان میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقدمہ بطور تبصرہ کے شائع ہوا ہے، ہم اس کا ایک اقتباس یہاں نقل کرتے ہیں:

''راقم اس کے اظہار میں حرج نہیں سمجھتا کہ تفسیر قرآن (اپنی علمی بے بضاعتی کے اعتراف کے ساتھ) میرا ابتداء سے موضوع رہا ہے تقریباً دس برس دار العلوم ندوۃ میں یہ مضمون میری حقیر ذات سے متعلق رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی خدمت کی توفیق

عطا فرمائی، اس سلسلے میں قدیم تفاسیر میں سے کوئی قابل ذکر تفسیر (جو کوئی خصوصیت رکھتی ہو) ایسی یاد نہیں آتی جو نظر سے نہ گذری ہو جدید مطبوعات بھی علم میں آتے رہے اور ان سے بھی وقتاً فوقتاً استفادہ کی نوبت آئی عربی ممالک کے سفر کے سلسلہ میں جدید ترین مطبوعات سے بھی واقفیت کا موقع ملا اس کے بعد شاید میرا یہ عرض کرنا کچھ وقعت رکھتا ہو اور ناظرین کے لیے ہمت افزائی اور اطمینان قلبی کا باعث ہو کہ "تفسیر ماجدی" اپنی بعض خصوصیات میں منفرد ہے اور تمام تفسیری ذخیرہ کی موجودگی میں اس کی بہرحال ضرورت تھی۔

قرآن مجید کے بیسوں مقامات ایسے ہیں کہ ان میں قرآن کا اعجاز اور وحی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پورے طور پر اس وقت تک عیاں نہیں ہو سکتی، جب تک کہ ان آیات کا تاریخی پس منظر سامنے نہ ہو اور جن اقوال وعقائد کی تردید یا نفی کی گئی ہو، ان کی حقیقت و اصلیت اور ان کی اس دور میں اہمیت ومقبولیت وعمومیت معلوم نہ ہو۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ نے ایک نہایت قابل قدر خدمت انجام دی ہے جس کا شکریہ ان سب لوگوں پر واجب ہے جو مغربی زبانوں سے براہ راست واقفیت نہ رکھنے کی وجہ سے ان ماخذوں سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے یا ان کے پاس اتنا وقت اور ایسا وسیع کتب خانہ نہیں ہے، قرآنی واقعات وقصص اور مقامات وامکنہ نیز اشخاص واقوام اور مذاہب وفرق سے متعلق انھوں نے اتنا مواد جمع کر دیا ہے جو یکجا نہیں مل سکتا۔ پھر جہاں تک میری نظر پڑی ہے وہ مسلک سلف سے ہٹے نہیں ہیں۔

ہمارے محدود علم میں (اور یہ بات وسیع سفروں اور سیاحتوں، یوروپ وامریکہ کے سفروں اور وہاں کی بہت سی علمی کوششوں سے واقفیت کے بعد لکھی جارہی ہے) اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے ایک محقق اور فاضل یگانہ اور خادم دین مولانا عبدالماجد صاحب رحمہ اللہ کو توفیق دی کہ وہ تقابل صحف سماوی کا منظم، وسیع اور مخلصانہ مطالعہ فرمائیں اور کم سے کم انگریزی میں شائع ہونے والی تنقیدی، احتسابی و تقابلی کتابوں، موسوعات، انسائیکلوپیڈیاز اور وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے مضامین ومباحث کا مطالعہ جاری رکھیں اور ان کے حوالہ و نشاندہی سے بدیہی حقائق کی طرح قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی محفوظیت اور توراۃ وانجیل کے تحریفات، خارجی اضافات اور ذات و صفات خداوندی کے خلاف بیانات اور نسبتوں سے پردہ اُٹھائیں، یہ ایک خادم دین مترجم ومفسر قرآن کا وہ کارنامہ اور اس کے اخلاص و بلند ہمتی کا شاہکار ہے، جس میں راقم حروف کی نظر میں ان کا اس عہد میں نہ صرف ہندوستان بلکہ کسی اسلامی ملک میں بھی کوئی ہمسر اور نظیر نظر نہیں آتا۔(۱۲)

مکی مدنی سورتوں پر تحقیق

مکی اور مدنی سورتوں میں عام طور پر یہی فرق بیان کیا جاتا ہے کہ "مکی آیت، سورت" کا مطلب یہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے نازل ہوئی اور "مدنی" کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی۔ یہ فرق تقریباً اکثر مفسرین بیان کرتے ہیں۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ نے مدنی اور مکی سورتوں و آیات کی کچھ خصوصیات بھی ذکر کی ہیں۔ مثلاً ہر وہ سورت جس میں لفظ "کلا" آیا ہے، مکی ہے۔ ہر وہ آیت جس میں منافقوں کا ذکر آیا ہے، مدنی ہے۔ مکی سورتوں میں عموماً "یا أیها الناس" (اے لوگو) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے اور مدنی سورتوں میں "یا أیها الذین آمنوا"

(اے ایمان والو) کے الفاظ سے۔(۱۳)

مگر مولانا دریابادی مرحوم اس فرق کو حتمی نہیں کہتے، فرماتے ہیں:

> ''لیکن یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی سورت کے اندر کی آیتیں رکھا دی ہیں یا اس کے برعکس۔ ربط مضمون ومناسبت مقام کا صحیح تر ولطیف تر احساس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا تھا؟ اس لئے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکی ومدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے۔ روایتیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں کوئی درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں، محض مفید ظن ہیں، مفید یقین نہیں اور اس قسم کے عقلی وقیاسی معیار کہ مثلاً ''یَا اَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا'' سے شروع ہونے والی آیتیں لازم طور پر مدنی ہوں گی اور ''یَا اَیُّہَا النَّاس'' سے شروع ہونے والی لازمی طور پر مکی ہوں، محض اکثری وتخمینی ہیں، کلی وقطعی نہیں اور محض ان روایات ونظریات کے ماتحت کسی آیت پر جزم ووثوق کے ساتھ کوئی حکم لگا دینا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید کی کسی جدید ترتیب پر اسے ترتیب نزولی کا نام دے کر آمادہ ہو جانا بڑی جسارت کا کام ہے۔''(۱۴)

انجیلی بیانات سے موازنہ

دریابادی مرحوم کی تفسیر میں ایک ممتاز خوبی یہ نظر آتی ہے کہ وہ جابجا قرآن کریم کی عبارات کا انجیلی بیانات سے موازنہ کرتے ہیں۔ بقول مولانا عبداللہ عباس ندوی (تفسیر ماجدی کی خصوصیات اور اس کی انفرادیت) کہ یہ کام اس سے پہلے بھی کچھ مفسرین نے کیا ہے، مثلاً ابن حبان اندلسی، مفتی محمد عبدہ اور سید رشید رضا وغیرہ۔ مگر ان تمام کاوشوں اور مفسر دریابادی مرحوم کے درمیان فرق یہ ہے کہ ان لوگوں کا انداز مدافعانہ ہے اور صرف ان مقامات پر گفتگو کی ہے جن پر مستشرقین کی طرف سے حملے ہوئے ہیں، بہ خلاف مفسر دریابادی کے کہ انہوں نے خود بڑھ کر تحریف شدہ صحائف کا کھوکھلا پن دکھا دیا ہے۔

اس تقابل اور موازنے سے مقصد قرآن کریم کی افضلیت کو ثابت کرنا ہے اور دعوت فکر بھی ہے پڑھنے والوں کے لئے، کہ خود دیکھ لیجئے کہ وحی کی روشنی اگر ہے تو کس کتاب کے الفاظ میں ہے۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ کا موازنہ انجیلی دعا لارڈز پریر (LORDS, PRAYER) سے یوں کرتے ہیں۔

> ''یہ خوش عقیدگی نہیں اظہار حقیقت ہے کہ جس حیرت انگیز ایجاز وجامعیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی سات مختصر آیتوں میں توحید الٰہی اور صفات کمالیہ کا بیان آ گیا ہے، اس کی نظیر سے مذاہب عالم کے دفتر خالی ہیں اور اس سے بڑھ کر تو کیا اس کے برابر بھی مثال پیش کرنے سے دنیائے مذاہب عاجز ہے، مسیحی دنیا کو بڑا ناز اپنی انجیلی دعا (LORDS, PRAYER) پر ہے۔ لیکن اول تو اس کا ضعف اسناد بھی خود مسیحی فاضلوں کو مسلم ہے، یعنی اس کی تحقیق نہیں کہ الفاظ خود حضرت مسیح کے ہیں بھی۔ پھر یہ جہاں سے بھی آئی

ہو، یہاں اس کے الفاظ سورۂ فاتحہ کے بالمقابل درج کئے جاتے ہیں۔ ہر منصف مزاج خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ قرآن مجید کی فاتحۃ الکتاب اور اس انجیلی دعا کے درمیان کیا نسبت ہے۔

سورۃ الفاتحہ	انجیلی دعا
ا۔ ساری تعریف اللہ کے لئے ہے (وہ) سارے جہانوں کا مربی۔	ا۔ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ (متی ۶:۹۔۱۴)
۲۔ (وہ) نہایت رحم کرنے والا (وہ) بار بار رحم کرنے والا۔	۲۔ تیری بادشاہت آئے تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔
۳۔ (وہ) مالک روز جزا کا۔	۳۔ ہماری روز کی روٹی ہمیں آج دے۔
۴۔ ہم بس تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور بس تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔	۴۔ جس طرح ہم نے اپنے قرض داروں کو معاف کیا ہے تو ہمارے قرض کو معاف کر۔
۵۔ چلا ہم کو سیدھا راستہ۔	۵۔ اور ہمیں آزمائش میں نہ لا، بلکہ برائی سے بچا۔
۶۔ اور ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔	
۷۔ نہ ان کا (راستہ) جو زیر غضب ہیں اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔	

ا ...... کہاں رب العالمین کی لامحدود وسعت و ہمہ گیری اور کہاں آسمان پر بیٹھے رہنے والی بعید اور محدود، اور پھر باپ جیسی محض مادی تعلق رکھنے والی ہستی۔

۲ ...... ایک طرف اعلان ہو رہا ہے ہمہ گیر صفات ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت کا اور دوسری طرف ان کی بجائے ذکر ہے صرف زمین پر آسمانی بادشاہت کے آنے کا۔

۳ ...... توحید خالص پر جو زور قرآنی عبارت میں، منع عبادت غیر و منع استعانت بالغیر میں ہے، انجیلی دعا میں کہیں اس کا پتا تک نہیں۔

۴ ...... انجیلی دعا کی آیت نمبر ۳ میں روٹی کی اس درجہ اہمیت۔ مادیت کی انتہا ہے۔

۵ ...... محض برائی سے بچنے کی دعا صراط مستقیم پر قائم رہنے کی نسبت کہیں زیادہ ہلکی ہے۔" (۱۵)

پاک و ہند کے مذاہب باطلہ کا رد

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ تفسیر ماجدی کا بنیادی موضوع مذاہب باطلہ کا مدلل رد ہے اور چونکہ یہ تفسیر ہندوپاک میں اور اردو زبان میں لکھی گئی ہے اس لئے یہاں کے مذاہب کا بھی خوب خوب رد ہے۔ مقامی مذاہب پر وسیع مطالعہ اور گرفت وتردید کا اندازہ ان کی چند تفسیری عبارات سے یوں لگایا جا سکتا ہے۔

"یہ رد ہے ہندو اور بدھ مت کے عقیدہ "کرم" کا یعنی انسان جو بھی کرے گا وہ لازمی نتیجہ ہوگا پچھلے جنم میں

اس کے افعال و اعمال کا۔ گویا اس قالب میں انسان اپنے ارادہ و اختیار سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ یہ جبریت کی انتہائی شکل ہے اور تناسخ اور عقیدۂ جبریت لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن مجید نے اس فاسد عقیدہ پر ضرب لگائی اور بتایا کہ نیکی اور بدی کی راہیں تو انسان کے اپنے اختیار کی چیزیں ہیں اور یہیں سے نصاریٰ کے عقیدۂ کفارہ کا بھی رد نکل آیا جس کا ماحصل یہ ہے انسان کو اب عمل صالح کی ضرورت نہیں "ابن اللہ" سب کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں اور سب کی نجات کا سامان ان کی مصلوبیت سے ہو گیا ہے۔" (۱۶)

"یہ رد ہے بادشاہ اکبر اور دوسرے بد دینوں کے اس عقیدہ کا کہ ہر دین دین حق ہے اور ہر مسلک خدا ہی کی راہ ہے اور دیر و حرم، کفر و ایمان میں فرق صرف لفظی و اصطلاحی ہے۔ خط مستقیم حقیقت یہ ہے کہ دو نقطوں کے درمیان صرف ایک ہی ممکن ہے، باقی سب خطوط منحنی و کج ہوں گے۔ راہ مستقیم خدا اور بندہ کے درمیان صرف ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے جو انبیاء و ہادیان حق کا دین ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔" (۱۷)

ترجمہ ماجدی

ترجمہ کسی بھی زبان میں ہو تعبیر کا حق ادا کرنا کافی مشکل ہے اور اردو زبان کا دامن تو ویسے بھی بہت تنگ ہے۔ کہاں عربی وسعت اور کہاں اردو زبان کا محدود دائرہ۔ اس تنگ دامنی کے اعتراف کے باوجود دریابادی رحمہ اللہ نے ترجمہ قرآن کو اچھے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ سلیس و شستہ ترجمہ کرتے وقت عربی کی بلاغت و ادبیت کا مکمل لحاظ رکھا ہے۔ جہاں کوئی آیت تاکیدات تخصیصات کے ساتھ آئی ہے دریابادی رحمہ اللہ کے ترجمہ میں اسی تاکید و تخصیص کا رنگ نظر آئے گا۔ اگر کسی آیت میں شدت کے ساتھ کسی چیز کی تردید و نفی کی گئی ہے تو ترجمہ میں بھی وہی شدت نظر آتی ہے۔ کئی مقامات پر بامحاورہ ترجمہ کرتے ہیں، یہ بامحاورہ ترجمہ اردو اسلوب میں بھی خوب مستعمل اور عربی ذوق کے بھی خوب شایان شان ہے۔ ترجمہ ماجدی کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ (۱۸)

اور ہم نے باقی انھیں کی نسل کو تو رکھا۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ. أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَعْلُومٌ. فَوَاكِهُ وَهُمْ مُكْرَمُونَ. فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ. عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ. يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِنْ مَعِينٍ. بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ. لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ. وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ. كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَكْنُونٌ. (۱۹)

مگر ہاں جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں۔ ان کے لئے غذائے معلوم ہے یعنی میوے۔ اور وہ عزت کے ساتھ راحت کے باغوں میں ہوں گے۔ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے۔ ان پر جام دور کرے گا بہتی ہوئی (شراب) سے لبریز۔ سفید سفید، پینے والوں کے حق میں خوب لذیذ۔ اس سے نہ چکر آئے گا اور نہ اس سے بہکی بہکی باتیں کریں گے۔

كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَلَاتَ حِينَ مَنَاصٍ (۲۰)

کتنی ہی امتوں کو ان سے پہلے ہم ہلاک کر چکے، سو انہوں نے بڑی ہائے پکار کی، درآنحالیکہ وقت خلاصی کا گزر چکا تھا۔

عظمت قرآن کا تصور

دریابادی رحمہ اللہ کے ترجمہ اور تفسیر میں عظمت قرآن کا تصور اول تا آخر موجود ہے۔ جہاں جنت اور اہل بہشت کی صفات کا ذکر آتا ہے مفسر کا قلم بھی جھوم جاتا ہے، بہت وجد سے مزے لے لے کر ان کا ذکر کرتے ہیں اور جہاں اہل جہنم و عذاب کا ذکر ہو دریابادی کے قلم سے ہی خوف و خشیت ٹپکتی دکھائی دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو جہاں آیت رحمت آتی ٹھہر جاتے رحمت کا سوال کرتے اور جہاں ذکر عذاب ہوتا تو عذاب و وعید سے پناہ مانگتے ..... مفسر دریابادی کے قلم میں اتباع سنت کی یہ جھلک خوب خوب دکھائی دیتی ہے۔ نمونے کے طور پر ان کی کچھ تفسیری عبارات یہاں تحریر کی جاتی ہیں۔

"فواکہ: عربی میں یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے، اور اردو کے کسی ایک لفظ سے اس کا ترجمہ ممکن نہیں۔ عربی میں فاکہہ سے مراد صرف میوے ہی نہیں، بلکہ ہر وہ لذیذ نفیس چیز ہے جو انسان پیٹ بھرنے کے لئے نہیں بلکہ ذائقہ کے لئے کھاتا ہے، جنت میں اہل جنت کے جسم کو تغذیہ کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہوگی، اس لئے وہاں جسم فنا پذیر نہ ہوں گے۔ اہل جنت جو کچھ کھائیں پئیں گے صرف مزے اور لطف کے لئے ..... انگریزی میں اس کے لئے قریب ترین لفظ "ریفریشمنٹ" ہے۔" (۲۱)

"انفرادی، مادی لذتیں بڑی سی بڑی بھی اہل جنت کے لئے کافی نہ ہوں گی۔ ہم مشربوں، دوستوں، عزیزوں کے اجتماع کا لطف ان سب لذتوں پر دوبالا ہوگا۔" (صفحہ ۵۰)

"اتراب: محض ہم عمری یا سن و سال میں مطابقت مقصود نہیں، بلکہ شوق و پسند میں ہم آہنگی، عادات و جذبات میں یکسانی۔ غرض ہر ایسی باہمی مناسبت مراد ہے جو ازدیاد لطف و موانست کا باعث ہو۔" (۲۲)

روشن خیالی اور فرنگیت پر رد

جدید علوم و فنون کی تحصیل کوئی عیب نہیں، خود دریابادی رحمہ اللہ مغربی علوم و فنون اور جدید فلسفہ پر خوب دسترس رکھتے تھے۔ مگر جدید علوم میں مہارت کے بعد شرعی مسائل و احکام الٰہی کو تختۂ مشق بنانا، شرعی حدود سے تجاوز کر جانا اور ہر جگہ اپنی جدت پسندی، فرنگیت و عقلیت کا مظاہرہ کرنا مستحسن نہیں۔ دریابادی رحمہ اللہ ایسے روشن خیالوں پر جا بجا تنقید فرماتے ہیں۔ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"حیرت ہے کہ بعض جدید اہل قلم نے مسیحی پادریوں کے طعن و طنز سے متاثر بلکہ مرعوب ہو کر اسلام میں غضب الٰہی کے وجود ہی سے انکار کر دینا چاہا ہے۔" (۲۳)

"آج جس چیز کا نام "روشن خیالی" ہے۔ تحلیل کر کے اور خوب غور کر کے دیکھا جائے تو اس کی تہ میں اصلاً

صرف یہی ملے گا انکارِ نفس اور پیمبر کے اقتدار و اتباع سے عار۔'' (۲۴)

''اس موٹی اور سیدھی سی بات میں خدا معلوم اتنا گھبرانے کا کون سا پہلو ہے، جو آج بعض مفسرین جدید خود مسئلہ نسخ ہی سے انکار پر تل گئے۔'' (۲۵)

''قرآن مجید نے علم اور اس کے مختلف صیغوں یعلمون وغیرہ کو جہاں جہاں استعمال کیا ہو علم حقیقی علم وحی ونبوت ہی کے معنی میں کیا ہے۔ ان آیتوں سے آج کے رواجی ''علوم وفنون'' اور اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ''تعلیم'' پر استدلال کرنا کس قدر ظلم قرآن مجید اور فہم سلیم دونوں پر ہے۔'' (۲۶)

''بڑی حیرت اور بڑی عبرت کے قابل آج کی ان آزاد ''مسلم'' قوموں کی حالت ہے جو فرنگی قوموں کے اثر سے طلاق، خلع، تعدد ازدواج، پردہ وغیرہ میں معاملات عائلیات کے متعدد شعبوں میں فرنگی قانون کو دھڑا دھڑ اپناتے چلے جاتے ہیں اور جوش تقلید فرنگ میں ان شدید مفاسد کو بھی نظر کے سامنے نہیں لاتے جو ان بشری اور محدود دماغوں سے نکلے ہوئے قوانین کے نفاذ سے معاشرے میں پیدا ہو جانے لازمی ہیں۔ یورپ اور امریکہ کی جنسی انارکی اور خانگی ابتری کو دیکھ کر مسلمان بجائے اس کے کہ فرنگیت سے بچتے اور جھجکتے ہٹ کے خود اس کے خیر مقدم کے لئے بیتاب رہنے لگے ہیں۔ عدم توازن اور معاشرے میں اختلال وانتشار انسان کی خودساختہ شریعت پر چلنے کا لازمی نتیجہ، جس سے مفر کی کوئی صورت ہی نہیں۔'' (۲۷)

بعض معاصرین کی گرفت

تفسیر لکھتے وقت دریابادی رحمہ اللہ کی نظر اردو کی متعدد تفسیروں پر رہی اور یہ نظر بہت گہری ہے۔ معاصرین کی تفسیری خوبیاں بیان کرتے ہیں اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی بھی خوب خوب۔ اضرب بعصاک الحجر ...... (۲۸) کے تحت لکھتے ہیں:

''ضرب کے معروف وعام معنی مارنے کے ہیں ''چلنے'' کے معنی اسی صورت میں ہوتے ہیں جب فعل ضرب کا صلہ فی کے ساتھ آئے، مثلاً ضرب فی الارض۔ بعض معاصرین نے آیت کا ترجمہ ''اے موسیٰ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ'' کیا ہے۔ یہ جس طرح لغت وقواعد زبان کے خلاف ہے، اسی طرح تاریخ کے بھی بالکل مخالف ہے اور اپنی تائید میں کوئی دلیل کسی قسم کی نہیں رکھتا، نہ عقلی نہ نقلی۔'' (۲۹)

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ ...... (۳۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اللہ معاف کرے، یہاں کلام کے سمجھنے میں بعض اکابر سے تسامحات ہو گئے ہیں، فرشتوں کا یہ قول بطور اعتراض یا گستاخی کے نہ تھا، فرشتے تو گستاخی کر ہی نہیں سکتے۔ ''باغی فرشتوں'' کا تخیل تمام تر مسیحی ہے اور عجب نہیں کہ مسیحیوں کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے یہ خیال مسلمان علماء میں سرایت کر گیا ہو۔ فرشتوں کا یہ قول تمام تر وفور و نیازمندی، اقرار وفاداری اور جوش جاں نثاری کا نتیجہ تھا، جیسا کہ ہمارے بعض محققین نے صراحۃً سمجھا ہے۔'' (۳۱)

حَتّٰی إِذَا أَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یَا أَیُّهَا النَّمْلُ ...... (۳۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں نے وادی نملہ سے انسانی قبیلہ میں نمل کا مسکن مراد لیا ہے، انہوں نے مکر وحیلہ اختیار کیا ہے ..... امروہہ (ضلع مرادآباد) کے کوئی صاحب سید محمد حسن نقوی نام کے گزرے ہیں، جنہوں نے غایۃ البرہان فی تاویل القرآن اردو زبان میں لکھی ہے، بائبل کا مطالعہ انہوں نے خوب کیا ہے، کہنا چاہیے کہ اس کے حافظ تھے۔ لیکن کاش یہی بات ان کی قرآن فہمی اور قرآن دانی کی بابت کہی جاسکتی۔ انہوں نے آیت کی عجیب تاویلات کر ڈالی ہیں چنانچہ یہاں بھی بائبل کا سہارا لے کر نمل سے مراد چیونٹی نہیں، بلکہ قبیلہ ہی نمل لکھا ہے اور آگے چل کر ہُد ہُد کو بجائے ایک پرندہ کے ایک فوجی افسر قرار دیا ہے۔" (۳۳)

صوفیانہ مزاج اور جاہل صوفیاء پر رد

دریابادی رحمہ اللہ تصوف مزاج تھے۔ اس لئے بعض مقامات تفسیر یہ میں صوفیانہ خیالات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ تزکیۂ نفس، طلب صادق، عشق حقیقی اور معرفت خداوندی کے مقامات میں مختلف صوفیاء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ عارف رومیؒ کے اشعار تو تفسیر میں کثرت سے دکھائی دیتے ہیں اور اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کے ارشادات "مرشد تھانویؒ نے فرمایا" کے عنوان سے جابجا بہت اہتمام وعقیدت سے ذکر کرتے ہیں۔ سورہ بقرہ کی تفسیر میں تقریباً ۲۷ مقامات پر اپنے شیخ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اس سے ان کی محبت شیخ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مگر دریابادی مرحوم بناوٹی اور جاہلی تصوف کی بالکل حمایت نہیں کرتے، بلکہ بیسیوں مقامات پر نقلی تصوف کے جاہلانہ خیالات پر رد کرتے ہیں۔ دیکھئے کچھ مقامات۔

"مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں صاف رد ہے حلول واتحاد کا جس کے قائل جاہل صوفیاء ہوئے ہیں۔" (۳۴)

"مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے جاہل صوفیہ کے اس طریقہ کا کہ جب ان کے سامنے شریعت پیش کی جاتی ہے تو اس کے بجائے وہ اپنے مشائخ کے معمولات سے تمسک کرنا کافی سمجھتے ہیں۔" (۳۵)

(حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے جنت کی دعا فرمائی) "مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا رد نکل آیا جو جنت سے مستغنی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نبی جلیل اور اللہ کے خلیل تو آرزو اور تمنا اس کی کرتے ہیں کہ انہیں جگہ جنت میں مل جائے اور دوسری طرف ہمارے یاوہ گو شاعر اور جاہل صوفیہ ہیں جو جنت کو اپنے طنز وتعریض کا ہدف بنائے ہوئے ہیں۔" (۳۶)

"مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس کے تحت وہ غالی صوفیہ بھی آجاتے ہیں، جو منقول اور ماثور تفسیروں سے انکار کرکے اپنی اختراعی تاویلیں پیش کرتے رہتے ہیں۔" (۳۷)

چند اہم امتیازی خصوصیات

(۱) ..... چونکہ مغربی مفکرین کی تحریرات پر گہری نظر ہے، اس لئے جہاں جہاں ان کی تحریرات میں اسلامی احکامات پر کسی قسم کے شبہات و اعتراضات نظر آئیں، دریابادی مرحوم ان کا تعاقب کر کے مدلل انداز سے رد فرماتے ہیں۔ اور جس منصف مزاج مغربی مفکر کا کوئی جملہ اسلام کی حقانیت و صداقت کتاب کے بارے میں منقول ہے مولانا بڑی فراخ دلی سے اپنی تفسیر میں جگہ دیتے ہیں۔ "ذٰلِکَ الْکِتَابُ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> ''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم کی شہادت ہے کہ قرآن The most widely read book on the world کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ اور پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر ہٹی کا بیان ہے کہ ''قرآن عہد آخر ین کی کتابوں کی کتابوں میں سب سے کم سن ہے، لیکن دنیا میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی یہی ہے۔''

(۲) ..... تفسیری مقامات میں جہاں کہیں کسی حیوان کا ذکر آتا ہے تو اس کے خواص تفصیل سے بیان کرتے ہیں، مثلاً سورہ بقرہ میں من و سلویٰ کا ذکر آیا تو بٹیر اور اس کے گوشت کی خوب وضاحت اور خاصیت بیان کی ہے۔ سورہ نمل میں چیونٹی اور ہدہد کا تعارف کراتے ہیں۔ پھر یہ سب کچھ "حیوانات القرآن" کے نام سے الگ چھاپا بھی ہے۔

(۳) ..... جغرافیہ عالم بالخصوص جغرافیہ عرب کا خوب مطالعہ ہے۔ اس لئے بہت سے مقامات کی جغرافیائی حیثیت بیان کرتے ہوئے ایسی تفسیر کرتے ہیں، گویا خود اس مقام کا مشاہدہ کرائے ہوں۔ اس سلسلے میں اگر کسی مفسر سے تعیین مقام میں غلطی ہوئی ہو تو اس کی نشاندہی بھی کر دیتے ہیں۔ "البحر" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> ''بحر سے مراد دریائے نیل نہیں، جیسا کہ بعض ثقات کو دھوکہ ہو گیا ہے بلکہ بحر قلزم (یا بحر احمر) مراد ہے۔
>
> (پھر اس سے آگے محل وقوع کی تعیین کر کے اس کی وضاحت کی ہے)۔(۳۸)

(۴) ..... بعض مقامات پر کسی آیت کی تفسیر میں کسی خاص موضوع پر کچھ طویل لکھنا چاہتے ہیں مگر چونکہ وہ مقام تفصیل کا نہیں، اس لئے سورت کے آخر میں بطور ضمیمہ کے وہ مضمون تحریر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۳ میں روزہ کا تذکرہ ہے، اس آیت کی تفسیر میں ضمیمہ کا حوالہ دے کر سورت کے آخر میں اپنی متعدد تحریریں جو ہفت روزہ اخبار "صدق" اور "سچ" میں اس حوالے سے چھپی تھیں، نقل کر دیں۔

سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ میں "اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کا ذکر ہے تو سورت کے آخر میں چار صفحات پر مشتمل ضمیمہ "اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے خصائص و کمالات پر لکھ دیا۔

(۵) ..... بعض مقامات پر حیران کن ربط بیان کرتے ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۵۳ تا ۱۵۷ میں صبر کی تعلیم ہے۔ اس کے بعد متصل حج کی سعی اور صفا و مروہ کا ذکر آ گیا۔ حضرت دریابادی مرحوم لکھتے ہیں:

> ''ابھی ایک ہی آیت اوپر ذکر فضائل صبر کا ہو رہا تھا، اس کے معاً بعد ذکر حج کا شروع ہو جانا، علاوہ اور بہت

> ی حکمتوں اور مصلحتوں کے ایک خاص مناسبت بھی صبر سے رکھتا ہے۔ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ موسم حج کے ہجوم و چپقلش اور مسلسل کوچ و مقام میں فرائض تک کی پابندی مشکل پڑ جاتی ہے سنن و مستحبات کا کیا ذکر ہے۔ اشتعال کے باوجود زبان پر قابو رکھنے، ہاتھ پیر پر قابو رکھنے، کان اور آنکھ پر قابو رکھنے۔ غرض صبر کا پورا امتحان ہے۔''(۳۹)

(۶)......جیسا کہ پیچھے گزرا ہے کہ طنز و مزاح دریابادی قلم کا ایک خاص وصف ہے۔ تفسیر میں اس کے نمونے اگرچہ بہت کم دکھائی دیتے ہیں، مگر کہیں کہیں ضرورت کے پیش نظر اس نشتر سے بھی مفسرؒ نے کام لیا ہے۔ البقرہ آیت ۲۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''تعداد میں قلیل اور قوت و شوکت میں ضعیف و مضمحل۔ جن مسلمانوں کو جہاد و قتال پر آمادہ کرنے کیلئے قرآن مجید کو اس تصریح سے کام لینے کی وا ہتمام سے کام لینے کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔ ان کی بابت اسلام کے مشہور و معروف ''کرم فرما'' اور مسیحی دنیا کے نامور مؤرخ و سیرت نویس پروفیسر مارگولیس کا یہ قول کس قدر ''سچائی'' اور ''دیانت'' سے لبریز ہے کہ: (نعوذ باللہ) ''محمد نے اپنے شورش پسند پیروؤں کو مشغول کار رکھنے کے لئے جہاد کے ذریعے لوٹ میں لگا دیا۔'' گویا کمزوروں کا زور آوروں کے سامنے اپنی جانیں دینے کے لئے آنا شکار کی قسم کا کوئی مشغلہ سیر و تفریح تھا!!......دین کے دشمنوں پر یہ بھی اللہ کی کیسی پھٹکار ہے کہ عقلیں بھی مسخ ہو جاتی ہیں۔''(۴۰)

(۷)......فقہی مباحث بھی جا بجا بیان کرنے کا بڑا اہتمام ہے۔

تفسیر ماجدی کے متعدد نسخے

تفسیر ماجدی کی طباعت کا سب سے پہلا معاہدہ تاج کمپنی سے ہوا تھا۔ پہلا حصہ چھپ کر جب مفسر کے پاس پہنچا تو وہ اس کی طباعت سے خوش نہ ہوئے۔ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

> ''میں نے تفسیر کی جو مستقل کتاب لکھی تھی۔ اس کی چھپائی بالکل اسی طرح کرنا چاہتا تھا جیسے کسی کتاب کی ہوتی ہے اور اس کے نمونے بھی اردو میں کئی موجود تھے۔ لیکن ناشر صاحب نے اسے مترجم مصحف کی صورت میں طبع کیا یعنی اصل سطح پر متن و ترجمہ اور تفسیری حصہ صرف بغلی حاشیہ بنا کر۔ تجارتی مصلحتیں ناشر صاحب کو اس سے جو کچھ بھی مد نظر رہی ہوں، تصنیفی اعتبار سے اس میں متعدد قباحتیں پیدا ہو گئیں۔ ان میں سے ایک تو یہی کہ میں نے جو الگ الگ پیراگراف قائم کئے تھے وہ باقی نہ رہے اور پھر نوٹ کی پوری عبارت بلا وقف و فصل کے متن کے مسلسل ہو گئے اور ظاہر ہے کہ چھپ چکنے کے بعد اب اصلاح کی صورت ہی کیا باقی رہی۔''(۴۱)

بعد میں پھر پاک و ہند کے کئی مکتبوں نے تفسیر ماجدی شائع کی، مثلاً پاک کمپنی، خان ببلیشرز وغیرہ۔ حضرت دریابادی رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ پورے مصحف کو سات منزلوں کے اعتبار سے شائع کیا جائے۔ چنانچہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ نے اس

خواہش کی تکمیل کی تفسیر ماجدی پہلے لکھنؤ سے اور اب مجلس نشریات قرآن کراچی سے سات جلدوں میں شائع ہو رہی ہے۔ اس نسخے میں حضرت دریابادی مرحوم کا اختتامیہ جو انہوں نے ۱۹۶۸ء میں لکھا تھا اور وہ تمام ثنات جو انہوں نے بعد میں وقتاً فوقتاً لکھے تھے سب شامل اشاعت ہیں۔ ابتداء میں مفکر اسلام علامہ ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کا مقدمہ اور اول جلد کے آخر میں مولانا عبداللہ عباس ندوی کا مضمون "تفسیر ماجدی کی خصوصیات اور اس کی انفرادیت" بھی اس نسخے کا امتیاز ہیں۔

چند گذارشات

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں:

"اردو اور انگریزی زبان میں ان کی تفسیریں خاصی مقبول ہوئیں اور مسلمانوں کو ان سے کافی فائدہ پہنچا۔ چونکہ انہوں نے دینی علوم زیادہ تر مطالعے سے حاصل کئے تھے، اس لئے تفسیر میں بعض باتیں جمہور کے خلاف بھی آگئیں۔ لیکن مجموعی حیثیت سے وہ ایک مفید تفسیر ہے جس میں عصری معلومات کا بھی بڑا ذخیرہ ہے، خاص طور پر فرقہ عیسائیت کے مباحث بے نظیر ہیں۔" (۴۲)

جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا، واقعی غلطی سے کوئی بشر محفوظ نہیں ہے۔ تفسیر ماجدی کے مطالعہ کے دوران کچھ گزارشات ذہن میں آئیں، جنہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ ......سورہ ص کی ایک آیت کی تفسیر میں دریابادی مرحوم کی رائے جمہور سے الگ ہے۔ مثلاً "وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ۔" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اسلامی روایتوں میں (جو نہ روایۃً ہی اعلیٰ درجہ کی ہیں اور نہ عقلاً آسانی سے قابل قبول) آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں ۷۰ کی تعداد میں حرم تھے۔ اولاد کی خواہش خصوصاً غزا و جہاد کے اغراض سے دل میں پیدا ہونا قدرتی تھی۔ ایک روز آپ کے دل میں آیا کہ ایک شب میں اگر کل حرم حمل سے رہ جائیں تو سوکڑیل جوان غزا و جہاد کے لئے ہاتھ آسکتے ہیں۔ ارادے پر عمل بھی فرمایا لیکن نتیجہ حسب مراد نہ نکلا، صرف ایک خاتون کے حمل رہا اور ان سے بھی اولاد ناقص الخلقت پیدا ہوئی۔ (۷۰ یا ۱۰۰ بیویوں سے ایک ہی شب میں شب باش ہونا کیسے آسانی سے قابل قبول ہے) جس کا جسم لاکر کرسی پر ڈال دیا گیا۔" (۴۳)

حضرت دریابادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ روایت اعلیٰ درجہ کی نہیں ..... حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو امام بخاری، امام مسلم سمیت تمام محدثین نے نقل کیا ہے۔ بخاری و مسلم میں کسی روایت کا آجانا، اس سے زیادہ اس روایت کے صحیح ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ "نہ عقلاً آسانی سے قابل قبول۔ ۷۰ یا ۱۰۰ بیویوں سے ایک ہی شب میں شب باش ہونا کیسے آسانی سے قابل قبول ہے"

اس سلسلے میں عرض ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے افعال خارق عادت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو ایک معجزاتی قوت وطاقت عطا فرمائی تھی، اس کی وجہ سے تو یہ ہرگز ناممکن نہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو عام انسانوں کی قوت وطاقت پر قیاس کرنا کسی طریقے سے بھی درست نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج (اس وقت نو (۹) ازواج تھیں) کے پاس ایک ہی شب میں تشریف لے گئے۔ اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سلیم اللہ خان مدظلہم نے اس کا جواب یوں لکھا:

> ''علماء نے نقل کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کے چالیس آدمیوں کی طاقت کے بقدر قوت رجلیت عطا کی گئی تھی اور جنت کے ایک آدمی کی قوت دنیا کے سو آدمیوں کی قوت کے برابر ہوگی۔ اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے چار ہزار آدمیوں کی قوت کے برابر قوت دی گئی تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو سولہ ہزار بیویوں سے شادی کا حق تھا۔ ایسی صورت میں بتلایئے کہ بیویوں کے ساتھ ایک وقت میں جماع کس طرح اور کیونکر قابل اعتراض ہوسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنی زبردست خارق للعادۃ قوت کے باوجود وقت واحد میں صرف نو (۹) بیویوں پر اکتفا کرنا یہ بھی بطور خرق عادت آپ ہی کی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ باوجود فاقوں اور قلیل خوراک کے رکانہ پہلوان کو پچھاڑ دیا اور غزوہ خندق میں پتھر کی چٹان کو جس کو توڑنے سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت عاجز ہوگئی تھی کدال مار کر ریت کی طرح بہا دیا، آپ کی خرق عادت جسمانی قوت کی واضح دلیل ہے۔'' (۴۴)

☆ ......ذوالقرنین کا آخری سفر کس سمت میں تھا؟ اکثر مفسرین کی رائے میں یہ سفر شمال سمت میں تھا۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ خلاصہ تفسیر میں فرماتے ہیں: قرآن میں اس سمت کا نام نہیں لیا مگر آبادی زیادہ جانب شمال ہی ہے، اس لئے مفسرین نے اس سفر کو شمالی ممالک کا سفر قرار دیا، تاریخی شہادتیں بھی اس کی مؤید ہیں۔ (۴۵)

مگر دریابادی رحمہ اللہ کی رائے اس سے مختلف ہے۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں اس سمت کی بابت کوئی اشارہ نہیں۔ قدیم مفسرین نے اپنے وقت کی جغرافی معلومات پر اعتماد کرکے لکھ دیا ہے کہ سمت شمال مراد ہے، لیکن اس پر کوئی دلیل نقلی یا عقلی قائم نہیں کی ہے۔ ان کے قیاس کی بنیاد تمام تر یہ ہے کہ قدیم جغرافیہ میں انسانی آبادی عموماً شمال ہی کے سمت دکھائی گئی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس تیسرے جنگی سفر کی سمت بھی مشرق ہی تھی اور چونکہ سمت مشرق کا ذکر ابھی اوپر آچکا ہے اس لئے کسی مزید تصریح وتعیین کی ضرورت نہ تھی۔ (۴۶)

اسی طرح تفسیر ماجدی میں چند باتوں کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ مثلاً:

☆ ......اکثر مفسرین کا معمول سورتوں کے فضائل بیان کرنے کا بھی ہے مگر تفسیر ماجدی میں اس کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

☆ ......چند مقامات پر عربی وفارسی عبارتیں ذکر کردی گئیں مگر ان کا اردو ترجمہ نہیں کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ عوام الناس کے

لئے ان مقامات سے استفادہ کرنا مشکل ہے۔

☆ ......کئی مقامات پر بالکل مختصر تفسیر کر دی گئی۔

اگر اگلے ایڈیشنوں میں ان چند باتوں کا اہتمام اور اضافہ ہو جائے تو پھر واقعی کہا جا سکے گا کہ یہ تفسیر بیسیوں تفاسیر سے مستغنی کر دینے والی تفسیر ہے۔ اللہ تعالی مفسر علیہ الرحمۃ کی تفسیر کو مزید شرف قبولیت سے نوازے اور ان مساعی جمیلہ کو ان کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

اللهم صل على محمد وعلى آله و اصحابه و ذريته و اهل بيته اجمعين

مآخذ وحوالہ جات

(۱) مولانا عبدالماجد دریابادی/آپ بیتی/مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۹۶/ص ۱۰۵

(۲) ایضاً ص ۲۳۴، ۲۳۵ باختصار

(۳) ایضاً ص ۲۳۶

(۴) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی/پرانے چراغ/مجلس نشریات اسلام کراچی ص ۱۲۸

(۵) المائدہ آیت ۴۸

(۶) اس عنوان کی تیاری میں "عبدالماجد دریابادی کے ادبی معرکے از شجاعت علی سندیلوی/الشریعت" اور "یادگار تحریریں/محمد اسحاق ملتانی/ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ص ۲۶۶ تا ۲۶۸" سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۷) مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ/پرانے چراغ/مجلس نشریات اسلام کراچی حصہ دوم ص ۱۶۲

(۸) صدق جدید ۱۲ اگست ۱۹۷۷، بحوالہ حکیم عبدالقوی دریابادی/حیات ماجدی/ناشر مرتبہ/مجلس نشریات اسلام کراچی

(۹) آپ بیتی، ص ۲۹۶

(۱۰) تفسیر ماجدی کی خصوصیات اور اس کی اثر اندازی از مولانا عبداللہ عباس ندوی/تفسیر ماجدی/۹۹۸

(۱۱) پرانے چراغ ص ۱۲۹

(۱۲) تفسیر ماجدی۔ پیش لفظ

(۱۳) مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ/معارف القرآن/ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۷۶ء/۱/ ۴۷

(۱۴) تفسیر ماجدی تفسیر الفاتحہ

(۱۵) ایضاً تفسیر سورہ فاتحہ

(۱۶) ایضاً البقرۃ ۲۸۶

(۱۷) ایضاً آل عمران ۱۹۵

(۱۸) ایضاً الضحیٰ ۷۷

(۱۹) ایضاً، الصّٰفّٰت ۱۳۰ تا ۱۴۷

(۲۰) ایضاً، ص ۳

(۲۱) تفسیر ماجدی، المدثر ۴۲

(۲۲) ایضاً، ص ۵۴

(۲۳) ایضاً، تفسیر فاتحہ حاشیہ ۱۹

(۲۴) ایضاً، البقرہ ۸۷

(۲۵) ایضاً، البقرہ ۱۰۶

(۲۶) ایضاً، البقرہ ۱۱۳

(۲۷) ایضاً، المائدہ ۵۰

(۲۸) البقرہ آیت ۹۰

(۲۹) تفسیر ماجدی تفسیر البقرہ حاشیہ ۳۰۳

(۳۰) البقرہ آیت ۳۰

(۳۱) تفسیر ماجدی، البقرہ، حاشیہ ۱۱

(۳۲) النحل آیت ۱۸

(۳۳) تفسیر ماجدی، النحل ۱۸

(۳۴) ایضاً، المائدہ ۴۷

(۳۵) ایضاً، المائدہ ۱۰۴

(۳۶) ایضاً، الشعراء ۸۵

(۳۷) ایضاً، حم السجدہ ۴۰

(۳۸) ایضاً، البقرہ ۵۰

(۳۹) ایضاً، البقرہ ۱۵۸

(۴۰) ایضاً، البقرہ ۲۱۶

(۴۱) آپ بیتی، ص ۲۹۷

(۴۲) مفتی محمد تقی عثمانی / نقوش رفتگاں / مکتبہ معارف القرآن 2004 ص ۸۰

(۴۳) تفسیر ماجدی، ص ۳۴

(۴۴) مولانا سلیم اللہ خان صاحب / نفحات التنقیح / مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی، ۱۴۲۳ھ ۔ 2002ء / ص ۱۸۸

(۴۵) معارف القرآن ج۵/ ۲۲۵

(۴۶) تفسیر ماجدی، الکہف ص ۹۴